تبصرے

حالی بحیثیت شاعر - از ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی۔ تقطیع کلاں۔ ضخامت ۳۹۰ صفحات -
کتابت وطباعت بہتر۔ قیمت مجلّد آٹھ روپے ۵۰ نئے پیسے۔ پتہ:- ادارہ فروغ اردو لکھنؤ۔

اردو شاعری کی تاریخ میں مولانا حالیؔ پہلے شخص ہیں جنھوں نے مغرب کے شعری وادبی افکار اور عصرِ نو کے مقتضیات ومطالبات سے متاثر ہوکر اور اپنی صلاحیتِ خدا داد سے کام لے کر اردو شاعری کو ایک نیا موڑ دیا اور اُس کو زندگی اور اُس کی اصلاح وترقی کا نقیب بنایا لیکن ایک تاریک ماحول کے ہر رفارمر کی طرح مولانا کی بھی شروع میں سخت مخالفت ہوئی اور اُن پر ہر طرف سے طعن وتشنیع اور مذمت کی بارش ہونے لگی، کسی نے اُن کی زبان پر اعتراضات کئے، کسی نے اُن کی شاعری کو ہدفِ ملامت بنایا۔ مولانا حالیؔ کے مداحوں نے بھی جواب لکھنے میں کمی نہیں کی لیکن پھر بھی اصل حقیقت یعنی یہ سوال کہ مولانا سب کچھ سہی مگر کیا شاعر بھی تھے؟ اس قابل تھا کہ اس کو سنجیدہ اور عمیق ووسیع تحقیق کا موضوع بنایا جاتا، چنانچہ یہ کتاب جو غالباً ڈاکٹریٹ کا تحقیقی مقالہ ہے اسی مقصد سے لکھی گئی ہے۔ کتاب چھ ابواب پر تقسیم ہے جن میں علی الترتیب خواجہ کے ذاتی حالات وسوانح، اُن کا عہد اور اُس کا پسِ منظر، اُن کا نظریۂ شعر وشاعری، خود اُن کی شاعری، اُن کی مخالفت، پر مبسوط ومدلل گفتگو کرنے کے بعد سب سے آخر میں کتاب کے اصل موضوع پر کلام کیا گیا ہے، لائق مصنف نے جس محنت وعرق ریزی سے یہ کتاب مرتب کی ہے اُس کی داد نہ دینا ظلم ہے۔ مولانا سے متعلق مطبوعہ یا غیر مطبوعہ شاید ہی کوئی ایسی تحریر رہ گئی ہو جسے انھوں نے نہ پڑھا ہو اور اُس سے کام نہ لیا ہو۔ کتاب کے آخر میں کتابیات کے زیرِ عنوان انھوں نے جو بہت طویل فہرست کتابوں اور اخبارات ورسائل کی دی ہے اُس سے اُن کی تلاش وتحقیق کا اندازہ ہوجاتا ہے۔ اگرچہ اُن کی سادگیٔ طبع کا یہ عالم ہے کہ بعض نو آموز لکھنے والوں کی تحریروں کا حوالہ دینے اور اُس کی بنیاد پر اپنی رائے کے اظہار تک سے انھوں نے دریغ نہیں کیا ہے، جو ایک تحقیقی کتاب کے شایانِ شان نہیں ہے، تاہم اس میں شبہ نہیں کہ مولانا حالیؔ کی شاعری پر اب تک اس قدر جامع اور مفصل

کتاب کوئی اور نہیں لکھی گئی تھی پھر سب کچھ پڑھنے کے بعد موصوف نے مولانا کی شاعری اور اُس کے مختلف پہلوؤں سے متعلق جو رائے قائم کی ہے وہ بھی اُن کے غور و فکر اور سنجیدہ و معتدل نقطۂ نظر کی دلیل ہے چنانچہ باب پنجم میں حالی پر جو اعتراضات کئے گئے تھے انھیں جزئیاتی تفصیل و تجزیہ کے ساتھ نقل کیا ہے اور خاص طور پر زبان سے متعلق اہلِ لکھنؤ کو جو اعتراضات تھے اُن میں سے اکثر کو صحیح مانا ہے اور ہمارے نزدیک بھی وہ صحیح ہیں اگرچہ مخالفین نے بعض جگہ نہ صرف یہ کہ دھاندلی سے کام لیا ہے بلکہ اپنی جہالت کا ثبوت دیا ہے مثلاً (صفحہ ۳۰۰) حالی نے ایک شعر میں کہا تھا " یاد رکھو دوستو سنت ہے یہ اللہ کی "

اس پر معترضین نے مذاق اُڑاتے ہوئے لکھا کہ " سوائے ہمارے مولانا حالی کے اور کسی نے آج تک یہ سنت نہ دیکھی ہوگی " حالانکہ قرآن میں ایک ہی مقام پر سنت اللہ کا لفظ دو مرتبہ آیا ہے، اسی طرح حالی کے لفظ پیش گوئی، پر اعتراض ہی جو غلط ہے اور "پیشین گوئی" صحیح نہیں، تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مولانا حالی دلی اور لکھنؤ کے اہل زبان کی طرح زبان داں نہیں تھے اور اس لئے اُن سے " سے " اور "کے" کی غلطیاں ہو جاتی تھیں، لیکن اس سے اُن کے کمالِ شاعری پر حرف نہیں آتا۔ اس سلسلہ میں عام طور پر کہتے ہیں کہ حالی قوم کے مرثیہ خواں تھے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ حالی کی یہ شاعری مرثیہ نہیں بلکہ رجزیہ ہے، مرثیہ کا اثر صرف آہ و بکا کرنا اور شیون و فریاد ہوتا ہے اور رجز کا مقصد تحریک و ہیجان آفرینی اور اُس کے ذریعہ انقلاب پیدا کرنا ہوتا ہے اور حالی نے اپنی شاعری سے یہی کام لیا ہے اور اُس میں وہ کامیاب رہے ہیں، بڑی دقت یہ ہے کہ حالی کے مخالفین کے پاس لے دے کے شاعری کا صرف ایک پیمانہ ہے جس سے وہ حالی کی قدیم و جدید دونوں قسم کی شاعری کو ناپتے ہیں۔ اردو شاعری جو دربار شاہی اور امراء و نوابوں کے شبستانِ عیش میں پروان چڑھی، رجزیہ شاعری سے بالکل ناآشنا ہے اس لئے جو لوگ اس سے ناواقف و بے خبر تھے اُن کو حالی کی رجزیہ شاعری سے متوحش ہونا ضروری تھا، رجزیہ شاعری عربی شاعری کی ایک مستقل صنف ہے اور دوسری اصناف کی طرح اس صنف کے بھی خاص خاص اصول و قواعد ہیں، مثلاً زبان کی سلاست اور سادگی۔ عوامی طرزِ کلام۔ نازک اور رندانہ تشبیہات اور اعلیٰ تخیل سے گریز۔ چھوٹی بحر۔ مضامین کا تسلسل، ماضی کی عظمت کا ذکر، حال کا بھیانک نقشہ، مستقبل کے لئے حُدی خوانی وغیرہ وغیرہ، اِن سب چیزوں سے واقف

تھے اور انھوں نے اُن کو اپنی۔ وہ جدید کی شاعری ہمہ مکمل طور پر برتا ہے، تغزل کے پیمانہ سے اس شاعری کو ناپنا اور اس پر کوئی فیصلہ دینا معترضین کی کوتاہ نظری اور فن سے بے خبری کی نشانی ہے، لائق مصنف نے اگرچہ رجزیہ شاعری کا کہیں نام نہیں لیا لیکن حالی کو ایک بلند پایہ اور ترقی پسند شاعر ثابت کرنے کے لئے انھوں نے جو دلائل دیئے ہیں اُن کا حاصل بھی تقریباً یہی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اعتراضات کی بوچھار سے وہ کہیں کہیں اس درجہ مرعوب ہوگئے ہیں کہ تحریر میں بعض جگہ تضاد پیدا ہوگیا ہے۔ بمثلاً صفحہ ۳۳۵ پر لکھتے ہیں :۔ "مقدمہ سے قبل حالی کی شاعری میں شاعرانہ حُسن شباب پر ہے اور مقدمہ کے بعد اس حُسن پر زوال آتا گیا، رنگ و روغن اڑتا گیا .... آخر میں یہ پیکر شاعری جھریوں کا مجسمہ بن کے رہ گیا۔ جس میں پختگی عقل تو ہے لیکن دلکشی و جاذبیت مفقود۔" ص ۳۷۹ پر لکھتے ہیں" شاعر کی حیثیت سے اُن کا مرتبہ بہت بلند اور اعلیٰ نہ سہی اور خواہ انھیں شعرائے اردو کی صفِ اوّل میں شامل نہ کیا جائے"۔ لیکن اس کے باوجود بحث کا خاتمہ جو کیا ہے وہ ان الفاظ پر کیا ہے :۔ " شاعر کی حیثیت سے حالی کو جو مرکزیت و جامعیت حاصل ہے وہ کسی اور شاعر کو نصیب نہیں ہے، وہ صفِ اوّل کے شاعروں میں بلند مرتبہ پر فائز ہیں۔ اُردو شاعری میں اُن کا مقام نہایت اہم ہے، وہ نہ صرف فطری شاعر تھے بلکہ اس عہد کے سب سے بڑے شاعر تھے۔

(ص ۳۸۰) اپنا یہی خیال صفحہ ۳۷۱ پر اس طرح ظاہر کرتے ہیں :۔ کم از کم اردو شاعری میں حالی کے علاوہ کوئی دوسرا فن کار ایسا نظر نہیں آتا جس نے اس کامیابی کے ساتھ اپنے فن کی تخلیق کی ہو کہ اُس میں فنی خصوصیات و کمالات بدرجۂ اولیٰ (یہاں اولیٰ کے بجائے لفظ اتم ہونا چاہیئے) موجود ہوں" اگر دوسروں کی رائے پر ہی بھروسہ کرنا تھا تو جہاں تک فن شاعری کا تعلق ہے سجاد انصاری سے زیادہ حکیم ناطق لکھنوی کی رائے وقیع اور وزنی ہے (ص ۳۳۵) علاوہ ازیں چونکہ ابواب کو ذیلی عنوانات پر تقسیم نہیں کیا گیا ہے اس لئے کتاب میں تکرار و تداخلِ مضامین کا عیب بھی پیدا ہوگیا ہے۔ ص ۱۴۱ اور ۳۷۴ پر حالی کے نصب العین کو واضح کرنے کے لئے عربی کے دو جملے خذ ما صفا... اور دُع کما.... ایک ساتھ نقل کئے ہیں، حالانکہ ان جملوں کا مفہوم ایک دوسرے کی ضد ہے۔ بعض

جگہ شعر غلط نقل ہو گیا ہے۔ مثلاً صفحہ ۳۴۳ پر شیفتہ کے شعر کا دوسرا مصرعہ اس طرح ہے :۔ "اک آگ سی ہے سینہ کے اندر لگی ہوئی" مصنف اُردو کے نامور ادیب ہیں اور اس لئے کتاب کی زبان بڑی شگفتہ اور اندازِ بیان سُلجھا ہوا اور دلکش ہے مگر غالباً سبقتِ قلم سے بعض جگہ زبان کی غلطیاں بھی رہ گئی ہیں، مثلاً ص ۱۳۴ پر "بطن ہندوستان پر نمودار ہوئی" بجائے "پر" کے "سے" چاہیئے۔ صفحہ ۲۱ کے حاشیہ میں "کو" کی جگہ "کا" ہونا چاہیئے۔ آخر میں یہ بھی عرض کرنا ہے کہ لائق مصنف اکثر مقامات پر اپنی رائے دوسرے ناقدین کے لفظوں میں اُن کے حوالوں کے ساتھ نقل کرتے چلے گئے ہیں۔ ہماری رائے میں ایک تحقیقی کتاب میں ایسا نہیں ہونا چاہیئے۔ مختلف نقادوں اور ادیبوں کی آرار کا جائزہ لینے کے بعد مصنف کو خود اپنے الفاظ میں اُن سب پر محاکمہ کرنا اور اپنی رائے دینا چاہیئے۔ بہرحال مجموعی حیثیت سے کتاب بڑی قابلِ قدر اور اردو ادب کے ہر طالبِ علم کے لئے لائقِ مطالعہ اور معلومات آفریں ہے۔

اسلام کا زرعی نظام

اسلام نے زراعت اور کاشتکاری کا کتنا مکمل نظام پیش کیا ہے؟ زمین کی تقسیم کن اصولوں کو سامنے رکھ کر کی؟ معاشیات میں زراعت کی کیا حیثیت ہے؟ خلافتِ راشدہ کے زمانے میں مشترکہ کھیتی کی کیا صورتیں تھیں ٹیکس کے قانون اور تحصیل وصول وغیرہ میں جو مظالم روا رکھے جاتے تھے اسلام نے اُن کو کس طرح ختم کیا اور کاشتکاروں کو کس قدر سہولتیں دیں، افسروں کے انتخاب کے متعلق سخت قوانین بنا کر بے ایمانی، رشوت ستانی اور جبر و ظلم کو کس طرح روکا؟ اس کتاب میں اس طرح کے بیشمار عنوانات پر تحقیق و بصیرت کی روشنی میں تفصیلی کلام کیا گیا ہے۔ اسلام کے نظامِ زراعت پر اس درجہ کی کوئی کتاب اب تک نہیں لکھی گئی اس کتاب کی اشاعت سے یہ کمی پوری ہو گئی ہے اور وقت کے اس اہم مسئلہ پر ایک نفیس کتاب وجود میں آگئی ہے۔ کتاب کے آخر میں تمام بحثوں کا ایک بصیرت افروز خلاصہ بھی دیا گیا ہے۔ مولف مولانا محمد تقی صاحب رفیق ندوۃ المصنفین صفحات ۳۱۶ بڑی تقطیع قیمت غیر مجلد چار روپے۔ مجلد پانچ روپے۔ **مکتبہ برہان اردو بازار دہلی**